بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دینِ اسلام انسانوں کے لیے اسی خدا کا بنایا ہوا ضابطۂ حیات ہے جو انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے۔ اور اس کا ارشاد یہ ہے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ اللہ کی مقرر کردہ فطرت ہے جس پر انسانوں کو قائم کیا گیا ہے اور اللہ کی اس تخلیق کردہ فطرت میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے باقی پوری کائنات اور اس کی ہر شے کو بھی اس کے لیے مخصوص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونِ فطرت یا قانونِ طبعی مقرر کر دیا ہے۔ اس کی زندگی و بقا اور نشوونما و ترقی کے لیے لازم ہے کہ اس کے لیے مقررہ قانونِ فطرت کے مطابق اس کی پرورش و نگہداشت کی جائے اور اس کے مطابق اسے نشوونما دیا جائے۔ چنانچہ ارض و سما میں پائی جانے والی اشیا اور قوتوں کو مسخر کرنے اور ان سے کام لینے اور ان کو انسانی ترقی کا ذریعہ بنانے کے لیے ماہرینِ علوم و فنون اور سائنس دانوں کا کمال یہ ہے کہ وہ ان سے متعلق قوانینِ فطرت کو تحقیق و تفتیش اور تجربات و مشاہدات کے ذریعے دریافت کر کے ان کے استعمال کے طریقے بتاتے ہیں، ان میں سے آج تک کسی جگہ کسی نے یہ نہیں محسوس کیا ہے کہ ان قوانینِ قدرت میں یہ کمی، کمزوری یا خامی ہے جس کی اصلاح اور اس میں ترمیم کی جانی چاہیے۔ اس لیے کہ اشیا کی فطرت اٹل ہے۔ لہٰذا یہ تمام قوانین اس فطرت کے ٹھیک مطابق اور قدرتی طور پر یہ بھی اٹل ہیں اور اٹل ہی ہونے چاہئیں۔

اسی طرح سے انسان بھی اوّل روز سے جب سے آدم علیہ السلام کی صورت میں زمین پر

اُترا ہے آج تک اُس کی فطرت غیر متبدل ہے اور تا قیامت جب تک وہ اس زمین پر رہے گا یہ فطرت غیر متبدل ہی رہے گی۔ اس کی خواہشات وضروریات اور مطالباتِ زندگی ہوں یا پسند و ناپسند اور نفرت و محبت کے پیمانے یا اُن کے اظہار کے طریقے سب وہی ہیں اور رہیں گے، سوائے اس کے کہ اظہار کے آلات بدلتے رہیں۔ اس لیے ابتدائے آفرینش میں انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو ضابطۂ حیات مقرر فرما دیا تھا اس میں بھی جب تک انسانی فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ___ اور یہ نہ اب تک ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہوگی ___ کسی ترمیم و تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جس طرح گندم، چاول، دالیں، نمک اور پانی وغیرہ اس کی مستقل خوراک ہے اسی طرح خدا کی شریعت ہی اس کی اجتماعی صحت کا مستقل نسخہ ہے۔ خدا کی کتاب شاہد ہے کہ جس قوم یا گروہ نے ان قوانین سے ہٹ کر اپنے خودساختہ قوانین کی پٹڑی پر اپنے نظامِ حیات کی گاڑی کو چلانے کی کوشش کی وہ فلاح و بھلائی سے ہمکنار ہونے کے بجائے راستے ہی میں حادثے کا شکار ہو کر رہ گئی اور اس کے یہ اصلاحی فلسفے اس کی ہلاکت کا سبب بنے۔ قوانینِ فطرت سے سرکشی اور روگردانی کرنے والوں کو تاریخ نے کبھی معاف نہیں کیا اور اس کے ہولناک نتائج جاننے کے لیے تاریخ کا سرسری مطالعہ ہی کافی ہوگا۔ موجودہ دور میں اگر کوئی شخص مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھنا چاہے تو امریکہ اور یورپ کی مختلف اقوام کی معاشرت میں جھانک لے، اسے وہاں معاشرتی نظام کی تباہی اور انسانی اقدار کی بکھری ہوئی دھجیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔

قوانینِ فطرت کا فہم و ادراک اور ان کی پیروی اور اس سے استفادے کی توفیق انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کو ان کی طلب ہو اور وہ اپنے پروردگار اور اس کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی فرد یا قوم کو تو خدا کے نام سے الرجی ہو اور وہ اسے بجبر اپنی بندگی میں جکڑ لے اور اپنے دین کے رنگ میں رنگ دے، اور نہ کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نظام کو دل سے چاہنے والے لوگوں کے ہاتھوں یا ایسے افراد کی کوششوں سے وہ عملاً برپا ہو جائے۔

جس طرح ایک اچھے سے اچھا انجینئر بھی ایک ڈاکٹر کی خدمات انجام نہیں دے سکتا اور ایک عامی اور ان پڑھ شخص کسی درس گاہ کا مدرس نہیں بن سکتا، بالکل اسی طرح غلط کار قسم کے لوگ اور قانونِ شریعت اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ لوگوں کو اونچی سے اونچی اور بڑے سے بڑے بااختیار کلیدی مناصب پر فائز کر کے بھی یہ توقع رکھنا بالکل عبث ہے کہ وہ اسلام کے نفاذ کی کوششوں میں کوئی مؤثر یا نتیجہ خیز کردار ادا کریں گے۔

یہ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ ہی کا نتیجہ تھا کہ موجودہ فوجی حکومت برسرِاقتدار آئی، اور شاید اسی وجہ سے اس نے اوّل روز سے ہی یہ اعلان کر رکھا ہے کہ یہ اسلامی نظام کے نفاذ کی کوششوں کے لیے آئی ہے، اور اپنے اسی نوع کے اعلانوں کے سہارے اس نے اب تک اپنے اقتدار کو سہارا دیا ہے۔ اگرچہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے بار بار متعدد کمیٹیاں تشکیل دی جاتی رہی ہیں اور بعض اس وقت بھی کام کر رہی ہیں لیکن عملاً پاکستان قومی اتحاد نے اپنے مختصر وزارتی دور میں جو کام کیا تھا اس سے آگے نظر آنے والا کوئی قدم نہیں بڑھ سکا۔
قومی اتحاد کی وزارتوں کے خاتمے پر سب سے زیادہ خوشی مغرب نواز، سوشلسٹ اور سیکولر بیوروکریسی کے طبقے کو حاصل ہوئی اور اس نے اسلامی نظام کی طرف حرکت کو وہیں بریک لگا دی جہاں وہ اس وقت تھی۔ صدرِ مملکت مسلسل اپنی نشری تقاریر، پریس انٹرویو، وفود سے ملاقاتوں اور اخباری بیانات میں اکثر اسلام کے عملی نفاذ کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور بلاشبہ اس ضمن میں کچھ اعلانات انہوں نے کیے بھی ہیں، لیکن نتیجہ پنڈت کو مولوی سمجھ کر کام لینے سے مختلف نہ نکلا۔ بلکہ غیر اسلامی قوانین کو اسلامی بنانے اور ان کے نفاذ کا کام ایسے لوگوں کو سونپا گیا اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کا کام انہی سے لینے کی کوشش کی جا رہی ہے جو خدا کی اطاعت و بندگی پر مبنی نظامِ زندگی کو انسانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے اور اس کی برملا تبلیغ کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کلیدی مناصب پر فائز یہ عناصر آئے دن ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں جو اسلامی نظامِ حیات کے منافی، اسلامی قوانین کی سراسر توہین اور ان سے سنگدلانہ مذاق کے مترادف ہیں۔

یہ دین بیزار، تہذیبِ افرنگ کے اندھے مقلد لوگ اب اپنی ہم مشرب مغرب زدہ خواتین کے ایک بے باک ٹولے کو بطور ہتھیار استعمال کرنے لگے ہیں۔ اور اس صورتِ حال کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان خواتین میں سے بعض خود حکومت کے ذمہ دار اور نیم سرکاری مناصب پر فائز ہیں اور بعض کو حکومت کے بڑے بڑے افسران کی بیگمات ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اب ہم اس نہایت مختصر لیکن نہایت بااثر گروہ کی سرگرمیوں کو ایک نظر میں سامنے لانے کے لیے صرف دو ایک کے چند واقعات کا جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ طبقہ کس دریدہ دہنی سے مسلسل اپنے بیمار خیالات کو پھیلانے کے لیے حکومت کا سہارا لے رہا ہے۔

اگست ۱۹۸۲ء کو قومی اخبارات میں وفاقی حکومت کی شعبۂ خواتین کی چیئرمین صاحبہ کا یہ بیان مسلمانانِ پاکستان ہی نہیں ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے انتہائی حیرت واستعجاب اور دل آزاری کا باعث بنا کہ "برقع اور چادر سے خواتین کی شخصیت اور صحت پر بُرے اثرات مرتب ہوں گے۔" نیز یہ کہ "یہ خواتین کے ترقی یافتہ بننے میں رکاوٹ ہیں اور اس سے ملک کی نسلیں پیچھے چلا جائے گا"۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کوئی مسلمان مرد یا عورت قرآن مجید کے صریح احکام اور اسلامی تہذیب و روایات کے کلیتہً منافی ایسی باتیں بقائمی ہوش و حواس اپنی زبان سے کیسے نکال سکتے ہیں۔

ہم نے ان محترمہ سے یہ دریافت کیا تھا کہ نزولِ قرآن کے بعد جب مدینہ کی اسلامی ریاست میں عورتوں کے معاشرے کو مردوں کے معاشرے سے الگ کر دیا گیا تھا، اسلام کی طاقت ساری دنیا کے مرد و زن کے اختلاط پر مبنی آپ کے نقطۂ نظر سے ترقی یافتہ معاشروں پر کیسے اور کیوں کر چھا گئی تھی؟ اگر پردہ واقعۃً ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے قائم ہونے والا اسلامی معاشرہ تاریخ کی ایک عظیم قوت کیسے بن گیا؟ اس کے بالمقابل روم و ایران اور قریشِ مکہ کے معاشرے تو عورتوں کے وفاقی شعبہ کی چیئرمین صاحبہ کے نقطۂ نظر سے انتہائی ترقی یافتہ یعنی مخلوط ہی نہیں بلکہ ننگے ناچ اور طواف کرنے والے تھے۔ محترمہ کے بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ "خواتین کی الگ یونیورسٹی کا قیام ہمارے لیے مہنگا پڑے گا۔"

اگر اسلامی اصولوں اور تقاضوں کے مطابق زندگی کی تعمیر واقعی نقصان دہ راستہ ہے تو پھر ایسی مفلس ذہن خواتین کو جنرل ضیاء حکومت کو متوجہ کرنا چاہیے کہ اس کا نفاذِ اسلام کا پروگرام اقتصادی اعتبار سے ناقابلِ عمل اور خسران کا موجب ہے۔ کیونکہ قرآن کی رُو سے اسلامی معاشرہ تو مخلوط نہیں بلکہ مرد و زن کے الگ الگ شعبوں پر مشتمل ہے۔ پھر انہی بیگم صاحبہ نے عورتوں کو اشتہارات کے لیے استعمال کرنے اور اشتہاری جنس بنانے کی بھی پُرزور حمایت کی بلکہ یہاں تک کہا کہ " اگر مردوں کو اشتہارات کی زینت بننے کا حق ہے تو عورتوں کو اس کا حق کیوں نہیں ہے"۔ حالانکہ بعض آوارہ پیشوں سے تعلق رکھنے والی عورتوں نے بھی خواتین کو اشتہار کی زینت بنانے کی مذمت کی ہے اور اس پر احتجاج کیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدرِ مملکت کیا اسی ٹیم کے ذریعے ملک میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر اور اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا انتظام کرنا چاہتے ہیں؟ قرآن مجید تو واضح الفاظ میں حکم دیتا ہے کہ عورتیں گھروں کے اندر بھی اپنے سر اور سینہ ڈھانک کر رکھیں اور گھر سے باہر نکلیں تو چادر سے منہ بھی ڈھانک کر نکلیں تاکہ اُن کو آوارہ سمجھ کر کوئی بدمعاش انہیں چھیڑے نہیں اور خدا کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو ایسے کپڑے پہنیں جو جسم اور اس کے خدوخال چھپانے کے بجائے انہیں نمایاں کریں۔ لیکن ہماری حکومت نے شعبۂ خواتین کی رہنمائی اور قیادت کے لیے مذکورہ خیالات کی خاتون کو منتخب فرمایا ہے! صدر صاحب اگر اسلام کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو اپنی حکومت کے اندر سے تمام ایسے عناصر کو چھانٹ کر الگ کریں جو قرآن اور اسلامی شعائر کو کھلم کھلا مذاق سمجھنے اور ان کی مخالفت کرنے میں کوئی جھجک بھی محسوس نہیں کرتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں تعلیم یافتہ خواتین کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں کیونکہ انہیں پچاس فیصد آبادی کی تعلیم، علاج اور ہر ضرورت کو اپنے دائرۂ کار میں پورا کرنا ہے۔ حتیٰ کہ ملک و ملت کی حفاظت کے لیے خود خواتین ہی کو فوجی تربیت کا الگ انتظام کرنا چاہیے تاکہ جب دفاع کے لیے ضرورت پڑے اور مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی جہاد میں نکلنا پڑے تو وہ بلا خوف و خطر

منظم انداز سے اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے قوم کی بچیوں اور عورتوں کو اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہوگی اور اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لیے گھروں کو تربیت گاہیں بنانا ہوگا۔ لیکن مغربی دنیا کی بدقسمت عورتوں کی نقالی میں دو ہاتھ آگے جانے والی آوارہ مزاج مشرقی عورتوں نے اپنے آپ کو بہترین نسل انسانی کی تیاری کے بجائے شمع انجمن بننے کے شوق میں فیکٹری مزدور اور دفتری مخلوق بننا زیادہ پسند کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ عورتیں مرد بننے کے شوق میں اپنا نسوانی شرف کھو بیٹھیں۔ وہ اپنے فطری وظائف سے نجات پا کر مرد نہ بن سکتی تھیں، نہ بن سکیں۔ البتہ اپنی فطری نسوانی ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی معاش کا بوجھ بھی اپنے ذمے لے لیا۔

ابھی چند ہفتے بیشتر وفاقی حکومت پاکستان کے خواتین ورکنگ گروپ نے ایک نیا نکتہ دریافت کیا کہ پاکستانی خواتین کی ترقی کی راہ میں "پردہ رکاوٹ بن گیا ہے" اس لیے ملک کے آئندہ پانچ سالہ ترقیاتی پروگرام میں اس "رکاوٹ کو دور" کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ ملک جو نظریۂ اسلام کے لیے حاصل کیا گیا ہو اور جہاں کی حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کی داعی ہو اور چادر اور چاردیواری کے تحفظ اور احترام کی پرچارک ہو، وہاں اس کی نگرانی میں اُس کا قائم کردہ کوئی خواتین کا گروپ اس نوعیت کی قرآن وسنت سے باغیانہ سفارشیں کرنے کی جسارت کیسے کر گیا — یہ بیمار اور باغیانہ ذہنیت کوئی یکایک نہیں پیدا ہوگئی بلکہ اس کے پیچھے جہاں مغرب سے مرعوب ذہنی غلامی کارفرما ہے وہیں ماضی کے بعض رہنماؤں کی نقالی بھی روا رکھی گئی ہے۔ مثلاً ترکی میں مصطفےٰ کمال پاشا نے، ایران میں رضا شاہ نے اور افغانستان میں امان اللہ خان اور ظاہر شاہ نے بھی یہی کھیل کھیلنا چاہا۔ اسی نوعیت کے "بھجن" قوم کو سنائے لیکن وہاں کی عورتوں نے اور وہاں کے مردوں نے اس کھوٹی سوچ کو مسترد کر دیا — کیا پاکستان کی ان اقلیتی بیگمات کو اپنے ہمسائے مسلم ممالک کی اس تاریخ سے کوئی سبق حاصل نہیں ہوا۔ اور حکومت کو بہرحال یہ جان لینا چاہیے کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اور جو کچھ کر رہی ہے ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے اور حکومت کے ایسے ہی کارنامے ہیں جن کی بنا پر (باقی بر صفحہ ۵۵)